© rasailojaraid.com

اسلامی تحریکیں: شرکت اقتدار کا تجربہ

محمد ظہیر الدین بھٹی

اسلامی تحریکوں کو کبھی دباؤ اور تشدد کا سامنا رہا' کبھی انھیں کالعدم قرار دیا گیا' کبھی وہ جیلوں کی تاریکیوں سے نکل کر سیاست کی روشنیوں میں پہنچیں' اپوزیشن کے بینچوں سے وزارت کی مسندوں تک پہنچیں بلکہ وزارت عظمیٰ کے اعلیٰ منصب تک ان کی رسائی ہوئی۔ کبھی انھیں دعوت و تبلیغ کی فکر تھی' کبھی ان کے شانوں پر مملکت کی ذمے داریاں آن پڑیں۔

کچھ ہفتے پہلے الجزائر کی تحریک "مجتمع السلم" قانون ساز اسمبلی کے تازہ انتخابات کے بعد بننے والی نئی حکومت میں شامل ہوئی ہے۔ اس سے کچھ پہلے نجم الدین اربکان نے ایک سال تک مخلوط حکومت کے تلخ تجربے کے بعد وزارت عظمیٰ کی کرسی خالی کر دی ہے۔ اس واقعے سے چند دن پہلے یمن کی التجمع للاصلاح شرکت اقتدار کے سنگھاسن سے اٹھ کر حزب اختلاف کی نشستوں پر جا بیٹھی۔ آزادی کویت کے بعد منعقد ہونے والے پہلے عام انتخابات کے بعد' حرکت دستوری اسلامی نے وزارت میں شمولیت اختیار کی۔ اسی طرح اُردن میں اخوان المسلمون نے مختصر مدت کے لیے ایک بار وزارت میں شرکت کی۔

ترکی' الجزائر' کویت' اردن اور یمن میں ہم عصر اسلامی تحریکوں کے شرکت اقتدار کے یہ تجربات کیسے رہے؟ ان کے مثبت اور منفی پہلو کیا ہیں؟ اس تجربے میں شامل ہونے والے کیا کہتے ہیں؟ ان کے بارے میں دوسرے لوگوں کی کیا رائے ہے؟ المجتمع ۱۲۵۸' ۱۵ تا ۲۱ جولائی ۱۹۹۷ کے اس مضمون میں ان پانچ ممالک میں ہونے والے پانچ تجربات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اسلامی تحریکوں کے تجربات کا مکمل جائزہ پیش نظر نہیں ہے بلکہ محض دوسری پارٹیوں کے ساتھ مل کر--- مخلوط حکومت کے ذریعے اقتدار میں شرکت ہمارا موضوع ہے۔

ترکی

صدر رفاہ پارٹی' نجم الدین اربکان نے مخلوط حکومت کی سربراہی سے استعفا دے دیا ہے۔ ترکی کے صدر سلیمان ڈیمرل نے مدر لینڈ پارٹی کے صدر مسعود یلماز کو نئی حکومت بنانے کی دعوت دی ہے جس نے ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جولائی ۱۹۹۷ کو پارلیمنٹ سے اعتماد کا ووٹ لیا۔ ۔یلماز کی حکومت کا کیا انجام ہو گا؟ اس سے قطع نظر آیئے یہ دیکھیں کہ اربکان کی حکومت سے تحریک اسلامی کو کیا فوائد و نقصانات پہنچے۔ بات صرف اتنی نہیں کہ حکومت بنی' ایک سال کے بعد مستعفی ہو گئی اور بس! بات اس سے زیادہ گہری ہے۔ آیئے اس کا جائزہ لیں۔

۱- جدید ترکی مملکت' دولت عثمانیہ کے کھنڈرات پر کھڑی ہوئی ہے۔ اس کے بنیادی رکن' قومیت اور سیکولرازم ہیں۔ قومیت سے مراد ترکی قومیت اور ترکی زبان کا غلبہ جبکہ سیکولرازم سے مراد اسلامی عناصر سے نبرد آزمائی ہے۔ ۱۹۲۳ میں "جمہوریت" قائم ہوئی جس نے خلافت کو کالعدم قرار دیا اور اسلامی شرعی قوانین کی جگہ یورپی قوانین اپنائے گئے۔ تمام دینی مدرسے بند کر دیے گئے۔ یہ سب کچھ بتدریج اور عوام کی رضامندی سے نہیں ہوا بلکہ اس کے لیے دباؤ' تشدد اور قتل و خونریزی سے کام لیا گیا۔ اس طویل تاریک دور استبداد میں "ڈیما کریسی" کا غلغلہ بلند ہوا۔ متعدد سیاسی پارٹیاں بھی وجود میں آئیں۔ مغربی آزادی نے راہ پکڑی۔ یہ تاثر عام ہوا کہ ترکی میں مکمل جمہوری آزادیاں ہیں۔ کہا جانے لگا کہ مشرق وسطیٰ میں صرف دو جمہوری ملک ہیں: ایک اسرائیل اور دوسرا ترکی۔ حکومت اربکان نے اس غلط تاثر کی قلعی کھول دی۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ ترکی ابھی تک فوج کی گرفت میں ہے۔ فوج ہی اقتدار کا سرچشمہ ہے۔ اسی کے ہاتھ میں ڈوری ہے' وہی ڈوری ہلاتی ہے۔ ۱۹۶۰' ۱۹۷۰ اور ۱۹۸۰ کے انقلابات نے اگر کبھی ایک سال یا دو سال کے لیے جمہوری نظام کی اجازت دی تو وہ الگ بات ہے۔ مگر اب یہ حالت نہیں رہی' اب ترکی میں سیاسی طور پر مضبوط اسلامی قوت وجود میں آ چکی ہے اور ملک حقیقتاً ایک نئے مرحلے میں داخل ہو چکا ہے۔

۲- ترکی کی دائیں اور بائیں بازو کی پارٹیوں کے بارے میں یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ وہ حزب اختلاف میں ہوں یا حزب اقتدار میں' وہ حقیقی حکمران گروہ (یعنی فوج) کے لیے محض قافیہ ملانے کا کام کرتی ہیں۔ انھیں جمہوریت سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ان کی حالت یہ ہے کہ جمہوریت کی علم بردار رفاہ پارٹی کی حکومت ختم کرانے کے لیے انھوں نے فوج سے مداخلت کی اپیل کی تاکہ فوج آگے بڑھے اور رفاہ کا تختہ الٹ دے۔ افسوس کہ عوام کی بالادستی کے نام پر بننے والی پارلیمنٹ میں جانے والی پارٹیوں نے عوامی حکومت کے خلاف فوج سے مدد کی درخواست کی۔

۳- اس تلخ حقیقت کا انکشاف ہوا کہ رفاہ کی حکومت کے خلاف جنگ کی قیادت ذرائع ابلاغ نے کی۔ یہ ایک ایسا پریشر گروپ ہے جو اقتصادی' تجارتی اور ابلاغی ہتھیاروں سے مسلح ہے اور جو ملک کی رائے عامہ کو بدلنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جس طرح یہودی مغرب کے اہم ذرائع ابلاغ پر قابض ہیں۔ اسی طرح ان کے ایجنٹ ان کے ماتحت ملکوں میں زبردست اثر و رسوخ کے مالک ہیں۔ ملک کی اصل حکمران قوت نے تو رفاہ پارٹی کو چند ماہ کے لیے برداشت کیا مگر ذرائع ابلاغ نے ایک دن کے لیے بھی برداشت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں کیا۔ یہ ذرائع ابلاغ جھوٹ' فریب اور حقائق مسخ کرنے کے ہتھیاروں سے مسلح ہیں۔ تانسو چیلر نے جب اعلان کیا کہ سابقہ حکومتیں ذرائع ابلاغ کو کئی ملین ڈالر محض اس لیے پیش کر چکی ہیں کہ وہ ان کی حکومتوں کو عوام کے سامنے خوشنما بنا کر پیش کریں تو اس اعلان کے بعد ذرائع ابلاغ مخلوط حکومت کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے۔

۴۔ رفاہ پارٹی کی تمنا تھی --- اور اس کی اس خواہش میں دنیا بھر کے تمام اسلام پسند بلکہ انصاف پسند سیکولر بھی شریک تھے --- کہ ترکی اپنے اسلامی تشخص کو ابھارے اور عالم اسلام اور یورپ کے مابین ایک پل کا کام دے۔ رفاہ چاہتی تھی کہ وہ مسلموں اور غیر مسلموں کے مابین رواداری اور باہمی احترام پر مبنی خیر سگالی کے تعلقات قائم کرنے کی ایک عمدہ مثال قائم کرے۔ مگر معلوم ہوا کہ جس طرح مغرب "اسلامی انتہا پسندی" سے خائف ہے اسی طرح وہ "اسلامی اعتدال پسندی" سے بھی خوش نہیں ہے' بلکہ وہ اسلامی اعتدال پسندی سے کچھ زیادہ ہی الرجک ہے۔

درج بالا حقائق سے ہم مستقبل کے بارے میں یہ اندازے لگا سکتے ہیں:

۱۔ دنیا سے کیمونزم کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ ترکی میں کمالی تجربہ دراصل سوشلزم کی ہی ایک شکل ہے جس میں فرد کو آزادی نصیب نہیں ہوتی' وہ غلام ہوتا ہے۔ کمال ازم میں "جمہوریت" کا نام تو ضرور لیا جاتا ہے مگر اس پر عمل نہیں ہوتا۔ بہرحال کمال ازم کو زوال کا سامنا ہے۔ ایسا ہو کر رہے گا۔ تاریخ کی یہی منطق ہے۔

۲۔ لادینی عناصر کی طرف سے پڑنے والے دباؤ کی وجہ سے ماضی میں مسلمانوں نے دائیں بازو کی پارٹیوں کے سائے تلے پناہ لی۔ ابھی تک دیندار مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ان پارٹیوں سے وابستہ ہے' خاص طور پر ٹروپاتھ پارٹی اور مدرلینڈ پارٹی سے توقع ہے کہ آگے چل کر ایک متحدہ محاذ تشکیل دینے میں ان اسلامی عناصر سے تقویت ملے گی۔ مسلح افواج نے جب مطالبہ کیا کہ "امام و خطیب اسکول" بند کر دیے جائیں تو اس کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے صرف رفاہ پارٹی سے وابستہ لوگ ہی میدان سلطان احمد میں جمع نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کے ساتھ دوسری پارٹیوں کے لوگ بھی تھے۔ بعض اوقات شر میں خیر بھی مضمر ہوتا ہے۔ رفاہ کے اقدام نے مسلمانوں کو متحدہ محاذ بنانے پر آمادہ کر دیا ہے۔

۳۔ انتخابات جلد ہوتے ہیں یا نہیں؟ فوج مارشل لا لگا کر اقتدار سنبھالتی ہے یا نہیں؟ اربکان ایک بار پھر برسر اقتدار آتے ہیں یا نہیں؟ کچھ بھی ہو مگر ترک عوام اربکان کو کبھی فراموش نہ کر سکیں گے۔ شر و باطل کی تمام طاقتیں' تمام جھوٹے ذرائع ابلاغ' بیورو کریسی اور سیاسی پارٹیوں کی گمراہ کن پروپیگنڈہ مہم بھی اربکان کے کارناموں کو محو نہیں کر سکے گی۔ عوام نہیں بھولیں گے کہ اربکان نے قوم کے مال کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خیانت نہیں کی، نہ وہ کسی مالی بدعنوانی میں ملوث ہوئے۔ اقتدار سنبھالنے کے اگلے دن ہی تنخواہوں میں اضافہ کیا۔ کم از کم اجرت کی مقدار میں اضافہ کیا۔ فضول خرچی اور اسراف کا خاتمہ کر دیا۔ بڑے اسلامی ممالک پر مشتمل ایک عالمی اقتصادی ادارہ قائم کیا جس کا مرکز استنبول ہو گا۔ ایک متوازن بجٹ پیش کیا۔ بیرون ملک سے قرضہ لیا نہ درون ملک سے۔ نئے ٹیکس نہیں لگائے۔ اربکان کے بلدیاتی اداروں نے عوامی فلاح و بہبود کے لیے وہ کچھ کیا جس کا کرنا دوسری پارٹیوں کے لیے محال تھا۔

یہ شفاف طرز حکومت اور قومی خزانے کا دیانت سے استعمال ترکی کی تاریخ کا ایسا نادر واقعہ ہے کہ عوام اسے برسوں تک یاد رکھیں گے۔

ترکی کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ پورے ملک پر صرف پانچ سو افراد کا قبضہ ہے، وہی حکومت کر رہے ہیں، وہی ترکی کے مال و دولت سے مستفید ہو رہے ہیں۔ کچھ حلقوں نے اس اندیشے کا اظہار کیا ہے کہ کردوں کے خلاف مسلسل لڑائی جاری رکھنے کے پس پردہ موجودہ اور سابقہ جرنیلوں کے مفادات وابستہ ہیں۔ یہ لوگ اسلحے کے بیوپاریوں سے سازباز کر کے کئی ملین ڈالر کما رہے تھے۔ اسلحہ اور اس کے سودوں میں ہیر پھیر کی افواہ بھی عام ہے۔

۴۔ سوسرلک کے سانحے کی تحقیقی رپورٹ منظر عام پر آئے گی تو دنیا کو اصل حقیقت معلوم ہو گی کہ کس طرح ایک طاقتور مافیا جوے خانوں، منشیات اور چوری چکاری کے اڈوں کی سرپرستی کرتا ہے۔ عوام کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ صدر ڈیمرل نے جوے کے اڈوں کی بندش کے مخصوص قانون پر دستخط کیوں نہیں کیے۔ سوسرلک کے سانحے کے بعد وزیر داخلہ نے استعفا کیوں دیا؟ کیوں صدر ڈیمرل ایک مافیا لیڈر، انجی بابا کے مقدمے میں دلچسپی لے رہے تھے۔

۵۔ عوام جان لیں گے کہ گذشتہ ستر سال میں اربکان پہلا شخص تھا جس نے فوج سے کہا: "تمھارے آرڈرز حکم نہیں بلکہ محض تجاویز ہیں۔ اصل حکمران تم نہیں ہو بلکہ عوام ہیں۔ پارلیمنٹ ذریعہ حکم ہے، جبکہ حکم دینے کا حق صرف وزیراعظم کو ہے۔ فوج کا کام حکومت کی اطاعت ہے، حکومت پر برتری اور تسلط نہیں"۔ فوج کو بھی جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ اس نے نفع سے زیادہ نقصان کا سودا کیا ہے۔ رفاہ، فوج کی خیرخواہ تھی۔

بعض حضرات رفاہ کی شرکت اقتدار کی پالیسی پر تنقید کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اقتدار میں آ کر رفاہ نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اس نے تجارتی حلقوں سے اپنا تعلق بڑھایا ہے۔ اسے ترکی کی مقامی اور بین الاقوامی اصل پوزیشن سے آگہی ہوئی ہے۔ اب اگر رفاہ آیندہ پانچ یا دس برس اپوزیشن میں بھی رہے تو اس کی عوامی تائید و حمایت میں کمی نہیں ہو گی بلکہ اضافہ ہی ہو گا۔ وہ بھاری اکثریت سے جیت کر تنہا حکومت بنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لے گی۔ کچھ حلقوں نے اس اندیشے کا اظہار کیا ہے کہ اگر عدالت عظمیٰ نے رفاہ کو کالعدم قرار دیا تو وہ دوسرا راستہ اپنائے گی۔ رفاہ اس قسم کی پارٹی نہیں ہے، اس کے سامنے کام کے بہت سے دروازے کھلے ہیں۔ اگر وہ ۱۹۹۵ کے عام انتخابات میں ۲۱.۷ فی صد ووٹ لے کر سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے والی پارٹی تھی تو آیندہ انتخابات میں بھی وہ بھاری اکثریت سے جیتے گی۔

الجزائر

الجزائر پر گفتگو شرکت اقتدار کی نہیں، تشکیل حکومت کی ہونا چاہیے تھی۔ یہ تجربہ دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں کے لیے راہ نما تجربہ ہوتا لیکن اسلامی محاذ نجات (FIS) کو کامیابی کے باوجود حکوت نہیں بنانے دی گئی اور الجزائر خون میں نہا گیا۔ اب اسلامی فرنٹ کی شرکت کے بغیر جو انتخابات اور شرکت اقتدار کا تجربہ ہے، اس کا جائزہ پیش خدمت ہے لیکن اس حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے کہ الجزائر میں ابھی تک کوئی حقیقی جمہوریت وجود میں نہیں آسکی۔

گذشتہ ۵ جون کو ہونے والے قانون ساز اسمبلی کے انتخابات کے بعد حرکۃ مجتمع السلم: تحریک پرامن معاشرہ کے پانچ وزرا نئی حکومت میں شامل ہوئے۔ اس سے پہلے ۲۹ نومبر ۱۹۹۵ کو ہونے والے صدارتی انتخابات کے بعد کثیر الجماعتی حکومت میں دو وزیروں نے مجتمع کی نمایندگی کی۔ اس پارٹی نے حکومت میں شرکت اس لیے کی ہے کہ الجزائر کو موجودہ بحران سے نکالا جاسکے جس کی نذر تقریباً ۷۰ ہزار افراد ہو چکے ہیں۔ حرکۃ مجتمع السلم ان دو سیاسی پارٹیوں میں سے بڑی ہے جنھیں سیاسی سرگرمیوں کی اجازت ہے۔ صدارتی انتخابات میں تحریک کے سربراہ محفوظ نحناح نے ۳ ملین ووٹ حاصل کیے تھے اور اسمبلی کے انتخابات میں ۷۲ نشستیں جیتی ہیں۔ محفوظ نحناح شریعت اسلامیہ انسٹی ٹیوٹ کے فارغ التحصیل ہیں۔ آپ ۱۹۹۲ سے الجزائر میں جنم لینے والے سیاسی بحران اور اس میں تشدد اور قتل و غارت کی سخت مذمت کرتے چلے آئے ہیں۔ آپ کی جماعت نوجوانوں اور خصوصاً یونی ورسٹی کے فارغ التحصیل طلبہ پر خصوصی توجہ دیتی ہے۔ وہ قومی مفادات کے تحفظ کی خاطر حکومت سے رابطے اور مخلوط حکومت میں شرکت کے حق میں ہے۔ اس پارٹی کا پہلا نام "حرکۃ المجتمع الاسلامی (حماس) تھا مگر وزارت داخلہ نے اسے جدید پارٹی ایکٹ کی پابندی پر مجبور کیا۔ ۶ مارچ ۱۹۹۷ کو جاری ہونے والے پارٹی ایکٹ کے بموجب اسلام اور عروبہ کے ناموں کو سیاسی اغراض و مقاصد کے لیے استعمال کرنا ممنوع ہے۔ چنانچہ نیا نام حرکۃ مجتمع السلم (حماس) رکھا۔ یہ جماعت جدید سیاسی حکمت عملی سے بہرہ ور ہے۔ تحریک النہضۃ الجزائر کی دوسری بڑی اسلامی پارٹی ہے۔ اس کے سربراہ شیخ عبداللہ جاب اللہ ہیں۔ اس نے گذشتہ انتخابات میں ۳۴ نشستیں جیتیں۔ شیخ عبداللہ لا کالج کے فارغ التحصیل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اور آپ کی پارٹی کے دیگر زعما سیاسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حالات کا سماجی اور قانونی جائزہ لیتے اور ان کا تجزیہ کرتے ہیں۔

ان دونوں اسلامی پارٹیوں نے سیاسی مذاکرات سے کبھی انکار نہیں کیا۔ یہ دونوں جماعتیں الجزائر کو خونریزی اور فساد سے محفوظ رکھنے کے لیے مکمل تعاون کے لیے ہمہ وقت تیار ہیں۔

مجتمع کے راہ نماؤں کے بقول شرکت اقتدار سے ان کا اہم ترین مقصد ---- گذشتہ عشروں میں بائیں بازو کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کا ازالہ ہے۔ نیز ان کے اندیشوں کا پردہ چاک کرنا ہے۔ سیکولر گروہ کے ان شکوک و شبہات کا ازالہ کرنا ہے جو انھوں نے بیورو کریٹس کے دل و دماغ میں بٹھا دیے تھے۔ صدارتی انتخابات کے بعد بننے والی حکومت میں ہماری شرکت سے قبل سیکولر لوگ کہا کرتے تھے کہ حماس کا وزیر اپنے دفتر وزارت کو مسجد میں بدل دے گا۔ وزارت کو اپنی پارٹی کے مفادات کے لیے استعمال کرے گا۔ وہ موجودہ تمام عملے کو ہٹا کر اپنی پارٹی کے لوگوں کو ملازمتیں دے گا۔ حالانکہ ایسا نہ ہمارے سابقہ دور وزارت میں ہوا نہ ہی موجودہ مخلوط حکومت میں ہو گا اور نہ ہی مستقبل میں اس کا امکان ہے۔ لہٰذا حرکۃ حماس کا اقتدار میں شرکت کا ایک مقصد سرکاری ملازمین کے لاشعور میں اسلام کے بارے میں جاگزیں تصورات کو درست کرنا ہے۔

تحریک کے سربراہ کے بقول ---- مخلوط حکومت میں شمولیت کا مطلب صدر مملکت کی اتباع نہیں ہے۔ صدر جمہوریہ نے نومبر ۱۹۹۵ء میں ہونے والے صدارتی انتخابات سے پہلے جس منشور کا اعلان کیا تھا وہ ہماری جماعت کے منشور سے کافی مشابہت رکھتا ہے۔ اس لیے ہم اقتدار میں شامل ہوئے ہیں۔ شخصیتیں آنی جانی چیز ہیں، ادارے قائم رہتے ہیں۔ دہشت گردوں کو مملکت الجزائر اور حکومت الجزائر میں فرق کرنا چاہیے۔ درد سر کا علاج، سر کو ختم کرنا نہیں ہے۔ مریض، مرض اور مرض کے جراثیم میں فرق کرنا چاہیے۔ حکومت میں تحریک اسلامی کی نمایندگی کرنے والے ایک سابق وزیر نے بتایا کہ سابقہ حکومت میں ہماری شمولیت "باہمی تعارف" کی حد تک تھی۔ یہ الجزائر کی تاریخ میں اپوزیشن کے ساتھ مل کر بننے والی پہلی مخلوط حکومت تھی۔ اس لیے ابتدا میں کام مشکل تھا مگر بتدریج آسان ہو تا گیا۔

ابو جرہ سلطانی کہتے ہیں: "میں پہلے باہر رہ کر حکومت پر تنقید کرتا تھا مگر اب حکومت کے اندر رہ کر اس پر تنقید کرتا ہوں۔ جگہ بدل گئی ہے، موقف تبدیل نہیں ہوا"۔

سوشلسٹ اور لادین عناصر کو ان پارٹیوں کی حکومت میں شرکت: ایک آنکھ نہیں بھائی۔ ان کے خیال میں یہ بنیاد پرستوں کو سرکاری سطح پر آگے بڑھنے کا موقع فراہم کرنا ہے۔ چنانچہ سوشلسٹ فرنٹ کے لیڈر حسین آیت احمد نے کہا ہے: "اخوان کے نحناح اقتدار پر اس طرح قبضہ کرلیں گے جس طرح سوڈان میں ترابی نے چند وزارتیں حاصل کرنے کے بعد براہ راست اقتدار پر قبضہ کر لیا"۔ بربر لیڈر سعید سعدی کہتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ حکومت میں اخوان المسلمون کے سات وزرا کی شمولیت کا مطلب وطن پرستوں اور اسلامی قوتوں میں سودا بازی ہے تاکہ اس طرح جمہوری قوتوں کا راستہ روکا جاسکے اور فکری و ثقافتی ترقی کو روکا جائے۔ اس ضمن میں عبداللہ جاب اللہ کا یہ کہنا زیادہ اہم ہے کہ "ہم اپنی تحریک کی سیاسی اور انتخابی ساکھ کو حکومت کی ساکھ بہتر بنانے کے لیے استعمال کرنے کے خلاف ہیں"۔

کسی بھی سیاسی پارٹی کی کوئی بھی حرکت مضر یا مفید ہوا کرتی ہے۔ سیاسی میدان کے اس اصول سے تحریک مجتمع السلم بھی مستثنیٰ نہیں۔ پہلا نقصان یہ ہوا ہے کہ شدت پسندوں کے خلاف، تحریک کے سربراہ محفوظ نحناح کے تیز و تند بیانات کی وجہ سے ان کی شدت پسندانہ کارروائیوں میں اضافہ ہوا ہے۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ تحریک کی قیادت ۱۹۹۲ سے لے کر اب تک سیاسی کاموں میں اس قدر مصروف رہی ہے کہ وہ اپنی رفاہی، ثقافتی اور تعلیمی سرگرمیوں پر کماحقہ، توجہ نہیں دے سکی۔ اگرچہ اسے عالم اسلام اور دنیاے عرب کی سطح پر پذیرائی ملی ہے، سیاسی میدان میں بھی آگے بڑھی ہے مگر وہ اپنے ملک میں رفاہی و فلاحی امور سے لاتعلق ہوتی جا رہی ہے۔

توقع ہے کہ سال رواں کے آخر میں ہونے والی تحریک اسلامی کی کانفرنس میں ان امور کے حوالے سے تحریک کی کارکردگی پر نظرثانی کی جائے گی۔ امیر تحریک اس کانفرنس میں "نئی نسل پر مبنی ایک نیا قومی بیورو براے عمل درآمد" تشکیل دینے کا اعلان کریں گے جبکہ موجودہ بیورو کے ارکان، پارلیمنٹ اور حکومتی سرگرمیوں تک محدود رہیں گے۔

حکومت نے المجتمع کو اقتدار میں شریک کیا ہے یا المجتمع نے اقتدار میں شمولیت اختیار کی ہے تو دونوں کے پیش نظر اپنے اپنے مفادات ہیں۔ حکومت کے بنیادی مقاصد یہ ہیں:

(الف) حکومت اپنے سالانہ بجٹ کو متوازن بنانے کے لیے بین الاقوامی سطح پر امداد اور قرضے حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ جمہوری عمل جاری کرے۔ چنانچہ اس نے "مجتمع السلم" اور "التجدید الجزائری" پارٹی کو مخلوط حکومت میں شرکت کی دعوت دی۔ (ب) کئی سیاسی پارٹیوں نے قانون ساز اسمبلی کے انتخابات کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا تھا۔ صدارتی انتخابات کے بعد مجتمع کو اقتدار میں شریک کر لینے سے ان پارٹیوں کا بائیکاٹ بے اثر ہو کے رہ گیا۔ عوام نے صدارتی اور پارلیمانی انتخابات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ (ج) حکومت تحریک اسلامی کو اقتدار میں شامل کرنے پر اس لیے مجبور تھی کہ اسے خطرہ تھا کہ سیاسی عمل سے باہر رہنے کی صورت میں تحریک حکومت کے لیے بہت سی مشکلات پیدا کر سکتی ہے۔

مجتمع کے پیش نظر مقاصد یہ ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(الف) اسلام اور تحریک اسلامی کے بارے میں اس تاثر کو غلط ثابت کرنا کہ وہ دہشت گردی اور شدت پسندی کے سرپرست ہیں۔ اسی لیے صدارتی الیکشن کے بعد دو اور پارلیمانی انتخابات کے بعد سات وزرا نے حکومتی ذمے داریاں سنبھالیں۔ اس صورت میں دہشت گردوں کے ساتھ ان کے ربط و تعلق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (ب) اس سوچ کو تقویت پہنچانا کہ تحریک اسلامی کے وزرا سماجی اور اقتصادی مشکلات و موانع کے حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ نیز یہ کہ اگر تنہا تحریک اسلامی کو حکومت بنانے کا موقع ملا تو وہ بطریق احسن کاروبار حکومت کو چلا سکے گی۔ یعنی اسلامی تحریک متبادل حکومت کی اہل ہے۔ (ج) تمام سرکاری اداروں اور محکموں میں اپنا اثر و رسوخ بڑھایا جائے۔ یہ ادارے اب تک "سیکولرازم" اور مغربی جمہوریت کے حامیوں کے زیر تسلط رہے ہیں۔

کویت

کویت دیگر برادر مسلم و عرب ممالک سے اس لحاظ سے منفرد ہے کہ یہاں کی حکومت اور تحریک اسلامی میں خوش گوار تعلقات ہیں۔ یہاں پکڑ دھکڑ، ظلم و تشدد اور قید و بند کی اذیتیں نہیں ہیں۔ یہاں پہلی بار ۱۹۹۲ میں تحریک اسلامی نے حکومت میں شرکت کی۔ ۱۹۹۲ میں ہونے والے انتخابات میں کویت کی پارلیمنٹ کی دو تہائی نشستیں تحریک اسلامی اور ان کے حامیوں نے جیتیں۔ مخلوط حکومت میں انھیں تین وزارتیں ملیں۔ یہ وزرا تھے: جمعان الجازی، ڈاکٹر عبداللہ الھاجری اور جاسم العون۔ پہلے کویت کے ارکان پارلیمنٹ میں سے صرف ایک وزیر لیا جاتا تھا مگر اب کی بار چھ وزرا لیے گئے ہیں۔ جمعان الجازی نے عربی ہفت روزہ المجتمع سے اپنے ایک انٹرویو میں کہا:

"حکومت میں شریک ہونے کی وجہ سے بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں آئی ہیں۔ ہم ایک عام شہری کی تکالیف اور مسائل کو اب آسانی سے سمجھ چکے ہیں۔ ہم نے ایک شاہی فرمان کے ذریعے جنرل سیکرٹری آفس برائے وقف قائم کیا ہے جس کی وجہ سے اوقاف کی کارکردگی میں ہمہ گیری اور وسعت پیدا ہوئی ہے۔ ہم نے مساجد کے ائمہ و خطبا اور وزارت اوقاف کے افسران سے ملاقاتیں کرنے کے بعد دعوت و ارشاد کے کام کو آگے بڑھایا ہے۔ ہم نے عالم اسلام کی مسلم تنظیموں سے مضبوط رابطے قائم کیے ہیں اور ہر طرح سے ان کی مدد کر رہے ہیں۔ عالم اسلام کے علما و محققین سے ہمارا رابطہ ہے تاکہ ہم موسوعہ فقہیہ (فقہی انسائیکلوپیڈیا) کی تکمیل کر سکیں۔ ہم ہر درپیش مسئلے پر اپنا نقطہ نظر پارلیمنٹ میں پیش کرتے ہیں۔ ہمیں سرکاری منصوبوں پر عمل درآمد کا طریق کار معلوم ہوا ہے۔ نیز سرکاری امور کو نبٹانے سے آگاہی ملی ہے۔ کاروبار حکومت چلانے کا عملی تجربہ ہوا ہے۔ ہم نے وزارت تعلیم کو اس بات پر آمادہ کر لیا ہے کہ وہ یونی ورسٹی ایکٹ منظور کرے جس کی رو سے مخلوط تعلیم کا خاتمہ ہو سکے اور یونی ورسٹی میں خواتین کی تعلیم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے الگ باپردہ انتظام کیا جا سکے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ یونی ورسٹی بھی اس پر آمادہ ہے۔ ہم ذرائع ابلاغ کا قبلہ درست کرنے کے لیے بھی تگ و دو کر رہے ہیں تاکہ مخرب اخلاق پروگراموں پر پابندی عائد کی جا سکے۔ پارلیمنٹ نے ایک کمیٹی برائے نفاذ قوانین شریعت تشکیل دی ہے۔ اس کمیٹی کے سربراہ سے درخواست کی گئی ہے کہ یہ کمیٹی بنک کاری، تجارتی اور اقتصادی امور کے بارے میں تمام قوانین کو شریعت کے مطابق ڈھالنے کا کام جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچائے"۔ کویت کے سابق وزیر نعمان العازمی نے اپنے انٹرویو میں شرکت اقتدار کے نقصانات کا بھی ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں: حکومت میں شرکت کرنے یا نہ کرنے سے متعلق ہمارے ہاں دو آرا پائی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ممبران پارلیمنٹ عوام کی مشکلات کو زیادہ بہتر طور پر سمجھتے ہیں اس لیے حکومتی فیصلوں میں ہمارے ارکان پارلیمنٹ کو شریک ہونا چاہیے جبکہ دوسری رائے یہ ہے کہ ممبران پارلیمنٹ کو حکومت کا حصہ بن کر شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس کی رائے حکومتی رائے سے مختلف ہوتی ہے لیکن اسے اپنی حکومت کی رائے کے احترام میں اپنی زبان بند رکھنا پڑتی ہے اور اس پر اسے عوام کی لعنت ملامت کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

اردن

اردن میں تحریک اسلامی ۵۰ کے عشرے میں منظر عام پر آئی۔ اس نے پہلی بار ۱۹۵۶ کے انتخابات میں شرکت کی تو اسے چار نشستیں ملیں۔ ۶۳ اور ۶۷ کے الیکشن میں دو دو نشستیں ملیں۔ ۸۹ کے انتخابات میں پارلیمان کی کل ۸۰ سیٹوں میں سے تحریک اسلامی کو ۲۲ نشستوں پر کامیابی حاصل ہوئی۔

۱۹۸۹ کا سال اردن کے لیے سیاسی تغیر کا سال ثابت ہوا جب تحریک اسلامی نے دعوت و تربیت کے مرحلے سے آگے بڑھ کر پارلیمنٹ کے سیاسی عمل میں شرکت کی۔ تحریک اسلامی کے ایک رہنما ڈاکٹر عبداللہ العکایلہ کی رائے میں تحریک اسلامی ۸۹ میں ہی مقامی طور پر ایک بڑی سیاسی قوت بن کر ابھری۔ اس سے پہلے کی چار دہائیوں میں تو اس کی سرگرمیاں صرف پارلیمنٹ کے اندر تک محدود تھیں۔

تحریک اسلامی کو پارلیمان میں ۲۲ نشستیں ملی تھیں۔ اسے دس مزید حامیان اسلام ارکان پارلیمنٹ کی بھی حمایت حاصل تھی۔ اس صورت حال کے پیش نظر وزیراعظم مضر بدران کے لیے---- جنھیں نئی حکومت تشکیل دینے کی ذمے داری سونپی گئی تھی---- تحریک اسلامی اور اس کے حامیوں کو نظرانداز کرنا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ انھوں نے فوراً رابطہ کیا اور تحریک اسلامی کو اقتدار میں شرکت کی پیش کش کی۔ فریقین کے مابین ہونے والے مذاکرات کسی نتیجے پر نہ پہنچ پائے کیونکہ وزیراعظم نے تحریک اسلامی کو سات وزارتوں کے قلم دان ---- جن میں وزارت تربیت و تعلیم بھی تھی---- سونپنے سے انکار کیا تھا۔ تاہم وزیراعظم نے تحریک اسلامی کو حکومت میں لانے کے لیے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ اس پر تحریک نے ۱۴ شرطیں عائد کیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان میں سے ایک شرط تھی: زندگی کے تمام شعبوں میں شریعت اسلامی کا نفاذ۔ بدران نے یہ شرطیں منظور کیں۔ یوں وہ ایوان سے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے کے لیے تحریک اسلامی کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مگر تحریک اسلامی حکومت سے باہر ہی رہی۔ یہ ایک عجیب صورت حال تھی۔ اس صورت حال سے نکلنے کے لیے پھر مذاکرات ہوئے جو کامیاب ہوئے۔ یوں اردن میں پہلی بار تحریک اسلامی نے ۱۹۹۰ میں حکومت میں شرکت کی۔ اسے پانچ وزارتوں کے قلم دان سونپے گئے یعنی وزارت تعلیم و تربیت، عدل، صحت، سماجی ترقی اور اوقاف مگر یہ مخلوط حکومت صرف چند ماہ چل سکی۔ جلد ہی حکومت نے میڈرڈ کانفرنس میں اردن کی شرکت کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے استعفیٰ دے دیا۔ اس سے پہلے تحریک اسلامی نے یہ دھمکی دی تھی کہ اگر حکومت اردن نے اسرائیل کے ساتھ مذاکرات کیے تو اس کے تمام وزرا مستعفی ہو جائیں گے۔

اس واقعے کے چھ سال بعد یعنی اب تک تحریک اسلامی نے کسی بھی اردنی حکومت کو اپنی حمایت کا یقین نہیں دلایا نیز وزرائے اعظم کی جانب سے کی جانے والی تمام پیش کشوں کو مسترد کر دیا ہے۔

اردن میں اخوان المسلمون کے المراقب العام ایڈووکیٹ عبدالمجید الذنیبات نے شرکت اقتدار کے بارے میں کہا:

"جماعت کی اقتدار میں شمولیت کی مدت بہت مختصر تھی جو پانچ ماہ سے متجاوز نہیں ہوئی۔ حالات دگرگوں تھے۔ جنگ خلیج جاری تھی۔ داخلی حالات بھی ابتر تھے۔ کچھ طاقتیں اخوان کے درپے آزار تھیں۔ سیکورٹی فورسز کا رویہ بھی اخوان کے ساتھ جانب دارانہ تھا۔ لہٰذا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا یہ تجربہ مفید رہا یا غیر مفید۔ ہم اس مختصر مدت میں کچھ نہیں کر سکے۔ کچھ منصوبے شروع ضرور کیے مگر ان کے پایہ تکمیل تک پہنچنے سے پہلے ہی میڈرڈ کانفرنس کی وجہ سے ہم نے اقتدار چھوڑ دیا اور یہ منصوبے ادھورے رہ گئے"۔

رکن پارلیمنٹ اور مخلوط حکومت میں تحریک اسلامی کی طرف سے بننے والے سابق وزیر سماجی بہبود یوسف العظم نے کہا: "ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت وزارتوں میں ہمارے احکام پر عمل نہیں ہوتا تھا اور متعلقہ افسران کو خفیہ ہدایات دی گئی تھیں کہ وہ ہمارے احکام پر عمل نہ کریں۔ کیونکہ عمل درآمد کی صورت میں عوام میں ہماری مقبولیت بڑھنے کا اندیشہ تھا"۔

ڈاکٹر عبداللہ جن کے پاس وزارت تعلیم و تربیت کا قلمدان تھا، کہتے ہیں: "تحریک اسلامی نے اس مختصر دور حکومت میں بہت کچھ سیکھا ہے۔ ہم نئے تجربات سے روشناس ہوئے ہیں۔ ہمیں ٹھوس حقائق کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ہمیں اپنی کارکردگی اور اپنی صلاحیتوں کا اندازہ ہوا ہے۔ ہم اپنے اعتدال پسند مخالفین کو یہ حقیقت باور کرانے میں کامیاب ہوئے ہیں کہ ہم دوسروں کی رائے کا احترام کرتے ہیں، دوسروں کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مل کر کام کرنے اور مذاکرات و مکالمے کے حامی ہیں۔ یوں ہم اپنے اور اپنے مخالفین کے مابین موجود نفسیاتی رکاوٹ دور کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں"۔

گذشتہ چند ماہ سے اردن میں اس موضوع پر بحث و مباحثہ ہو رہا ہے کہ کیا حکومت میں شمولیت روا ہے یا ناروا؟ تین نقطہ ہائے نظر سامنے آئے ہیں۔ ۱۔ ہر قسم کے حالات میں حکومت میں شامل ہونا چاہیے۔ حکومت میں عدم شمولیت عوام سے اور سیاسی عمل سے کنارہ کشی ہے۔ ۲۔ دوسرا نقطہ نظریہ ہے کہ حکومت میں ہرگز شامل نہ ہونا چاہیے بلکہ شرعی لحاظ سے ایسا نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ ۳۔ تیسرا اور زیادہ قوی مسلک یہ ہے کہ درپیش حالات کو دیکھ کر شرکت کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنا چاہیے۔

چنانچہ تحریک اسلامی کی مجلس شوریٰ نے یہ فیصلہ کیا کہ موجودہ حالات میں عدم شرکت زیادہ موزوں ہے۔ اخوان المسلمون کے لیڈر عبدالمجید الذنیبات نے کہا: "ہمارا نصب العین اسلام کو درست شکل میں پیش کرنا ہے اور اس کے اصولوں پر عمل ہے خواہ ہم اقتدار میں ہوں یا اقتدار سے باہر۔ اصولی طور پر تو ہم شرکت اقتدار کے قائل ہیں۔ مگر ہم کیسے شریک ہوں؟ مخلوط حکومت میں فریق ثانی کے لیے ہمارا موقف کیا ہو گا؟ یہ سب فیصلہ طلب امور ہوتے ہیں۔ اردنی حکومت ہمیں اقتدار میں شریک کرنا چاہتی ہے تاکہ ہم بھی اس کی کوتاہیوں اور بدعملیوں میں برابر کے شریک بنیں۔

یہی بات محاذ عمل اسلامی کے جنرل سیکرٹری ڈاکٹر اسحاق فرحان نے کہی: "وہ کہتے ہیں کہ ایک سیاسی پارٹی کا فرض ہے کہ وہ انتظامیہ، عدلیہ، مقننہ اور ذرائع ابلاغ کے شعبوں میں شرکت کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتی تو پھر وہ وعظ و تبلیغ کرنے والی کوئی تنظیم ہے۔ اسے سیاسی پارٹی نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم دیکھنا یہ ہے کہ کن حالات میں ایک اسلامی پارٹی شریک حکومت ہو"۔

اردن کے کئی قابل ذکر علما کرام نے موجودہ برسر اقتدار گروہ کے ساتھ مخلوط حکومت میں شامل ہونے کو شرعی لحاظ سے حرام قرار دیا ہے۔ وہ اسے گناہ کی حمایت و تائید سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس لیے کہ موجودہ حکمران ٹولے کے یہودیوں کے ساتھ قریبی تعلقات ہیں۔

المراقب العام عبدالمجید الذنیبات پچھلے دنوں امریکہ کے دورے پر تشریف لائے اور مختلف امریکی سیاسی شخصیتوں سے ملاقات کی، متعدد سیاسی بحث و تحقیقات کے مراکز کا دورہ کیا۔ المجتمع نے ان سے اس موقع پر انٹرویو لیا۔ ذیل میں اس انٹرویو کی خاص خاص باتیں دی جاتی ہیں۔

۱۔ پارلیمانی عمل، تحریک اسلامی کے لیے ایک سیاسی نوعیت کا عمل ہے۔ اس سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا موقع ملتا ہے۔ غیر اسلامی قوانین کے خلاف لب کشائی کرنے اور اسلامی امت اور اپنے وطن کے مفاد کی حمایت و تائید کرنے کا موقع ملتا ہے۔ امت کے مسائل کو قریب سے جاننے کا وقت ملتا ہے۔ ہمارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے اپنے معاشرے کے دکھوں میں شرکت اور ان کا مداوا کرنے کے لیے پارلیمانی سیاست میں حصہ لینا ہمارے لیے ناگزیر ہے۔

۲۔ اقتدار میں شرکت کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں خود اخوان المسلمون کے اندر کئی نقطہ ہاے نظر ہیں اور ہر صاحب علم کو دلائل کی بنا پر ایک موقف اختیار کرنے کا حق ہے مگر ہماری غالب اکثریت کی رائے میں اس وقت عدم شرکت ہی مناسب ہے۔ جماعت میں کثرت آرا سے کچھ فرق نہیں پڑتا بشرطیکہ سب ارکان جماعت، جماعت کے اجتماعی موقف پر قائم رہیں۔

۳۔ ہم ایک طرف تو دعوت و ارشاد کے ذریعے امت کو تیار کر رہے ہیں۔ دوسری طرف اپنے کارکنوں کو اقتدار سنبھالنے اور نظم و نسق حکومت چلانے کے لیے بھی تیار کر رہے ہیں تاکہ ہم اسلامی اصولوں پر عمل کر سکیں۔

۴۔ اس سوال کے جواب میں کہ سیاسی عمل کے لیے خاص صلاحیتوں کے حامل افراد کی ضرورت ہوتی ہے اور آپ کی جماعت میں زیادہ تر دعوت و تبلیغ سے وابستہ حضرات اور ائمہ و خطبا کی اکثریت ہے، محترم عبدالمجید نے کہا:

"دعوت و سیاست کے عمل میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ البتہ خلوص نیت اور محنت کی سخت ضرورت ہے۔ ہمارے نقطہ نظر میں سیاسی عمل شرعی اور اخلاقی بنیادوں پر استوار ہونا ضروری ہے۔ ہماری جماعت میں سیاسی عمل اور دعوت و تبلیغ دونوں کا کام کرنے کی صلاحیتوں سے بہرہ ور افراد کی کمی نہیں"۔

۵۔ ہم نے دیگر ممالک کی اسلامی تحریکوں سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ ان کی کامیابی کے راز اور ان کی ناکامی کے اسباب بھی ہمارے سامنے ہیں۔ بلکہ ہم نے تو غیر اسلامی جماعتوں کے ڈھانچے کا بھی بنظر غائر مطالعہ کیا ہے۔ جب بھی اردن میں اسلامی نظام کے نفاذ کے مواقع ہمیں ملے تو ہم اپنے معاشرے اور اپنے حالات کے مطابق اسلامی اصولوں پر عمل کریں گے اور دنیا میں جہاں کہیں بھی اسلامی نظام پر عمل ہوا ہے، ان تجربات کو مدنظر رکھیں گے۔

یمن

سابقہ شمالی یمن میں اسلامیوں نے اقتدار میں کبھی شرکت نہیں کی۔ حکومت میں ان کی شمولیت ۱۹۹۳ اور ۱۹۹۷ کے مابین ہوئی ہے۔ ۱۹۹۳ سے پہلے اقتدار میں اسلامیوں کی شرکت کے بارے میں گفتگو کا تعلق شمالی یمن سے ہے جو جمہوریہ عربیہ یمن کہلاتا تھا۔ دوسرا حصہ جو ڈیمو کریٹک یمن سے موسوم تھا، اس میں سوشلسٹ نظام رائج تھا۔

اسلامیوں کی شرکت اقتدار کا آغاز ساٹھ کے عشرے سے ہوتا ہے جب امامی نظام کے خلاف انقلاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کامیاب ہوا تھا۔ اس وقت یمن میں تحریک اسلامی اپنی ابتدائی حالت میں تھی۔ تاہم اس تحریک کے نوجوان اپنے اسلامی منصوبے کے لیے یمن کی ایک بھاری بھرکم شخصیت کی حمایت و تائید حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ یہ تاریخی اور سیاسی شخصیت تھی پروفیسر محمد محمود الزبیری۔ ان کے پرچم تلے اسلامیوں نے انقلاب کے بعد کی صورت حال کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالا۔ حالانکہ نیشنلسٹ اور مارکسی پارٹیوں کی کوشش تھی کہ وہ انقلاب کو دین مخالف رنگ میں رنگ دیں۔ تاہم فیلڈ مارشل عبداللہ السلال کے دور حکومت میں اسلام پسند، معروف سیاسی معنوں میں اقتدار میں شامل نہیں تھے۔ قاضی عبدالرحمٰن الاریانی کے عہد حکومت میں یہ سرکاری سیاسی مشینری کا بہت مختصر حصہ بنے۔ یہ وزارت تربیت و تعلیم کے مراکز تک محدود رہے۔ البتہ انھوں نے ملک میں نیا نصاب تعلیم مرتب کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ساٹھ کے عشرے میں یمن میں دیگر عرب ممالک اور خاص طور پر مصر کا نصاب تعلیم منتخب کر کے پڑھایا جاتا تھا۔ "دائمی دستور" بنوانے میں انھوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ دستور سیکولر پارٹیوں کی طرف سے کی جانے والی کسی بھی آئینی خلاف ورزیوں یا ترامیم کے مقابلے میں ایک آڑ اور ڈھال ثابت ہوا۔

سابق صدر ابراہیم الحمیدی کے دور حکومت میں بھی اسلامیوں کی شرکت اقتدار جاری رہی۔ اس دور میں وہ قومی سطح پر دینی ادارے اور دفاتر دعوت و ارشاد قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے جس نے متوسط اور زیر تعلیم طبقات میں صحیح اسلامی بیداری پھیلانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ صدر علی عبداللہ صالح کے عہد حکومت میں شرکت اقتدار نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔ ان کے دور صدارت کی ابتدا میں ہی حکومت اور حامیان اسلام کے مابین ایک عسکری معاہدہ ہوا تاکہ بڑھتی ہوئی اشتراکی لہر کا قلع قمع کیا جا سکے۔ اسلامیوں کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی اور وہ ملک کی سب سے بڑی قوت بن گئے۔

ادھر سوشلسٹ یمنی پارٹی اور نیشنل کانگریس کے مابین ایک کثیرالمقاصد سمجھوتہ ہوا جن میں سرفہرست اسلامی لہر کو دبانا تھا مگر اسلامیوں نے بروقت اقدام کرتے ہوئے یمنی معاشرے کی موثر قوتوں کے ساتھ اتحاد کر لیا اور التجمع الیمنی للاصلاح کے نام سے ایک پارٹی تشکیل دے لی۔ ۱۹۹۳ کے انتخابات میں اسلامیوں کو نمایاں پوزیشن ملی اور وہ سوشلسٹ پارٹی پر سبقت لے گئے۔ ۱۹۹۳ کے موسم گرما میں پہلی بار انھوں نے اقتدار میں علانیہ شرکت کی۔ اس سے پہلے وہ ۳۰ سال تک اپنے ارکان، معاونین اور ہمدردوں کے ذریعے شخصی طور پر شامل رہے تھے۔ اب کی بار شرکت حکومت کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں تین پارٹیوں پر مشتمل مخلوط حکومت تھی مگر بعد میں سوشلسٹ پارٹی اس اتحاد سے نکل گئی اور اپوزیشن کے بنچوں پر جا بیٹھی۔ دوسرے حصے میں دو جماعتی مخلوط حکومت بنی۔ کچھ اسلامیوں کے ساتھ نیشنل کانگریس پارٹی تھی۔ یہ صورت حال گذشتہ عام انتخابات تک جاری رہی۔ ان انتخابات میں کانگریس کو بھاری اکثریت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملی اور اس نے تنہا اپنی حکومت بنائی۔

یمن میں اسلامیوں کے حکومت میں شامل ہونے کے فوائد یہ ہیں:

۱۔ انھوں نے ایک جمہوری عمل میں باقاعدہ حصہ لیا۔ اپنے رائے دہندگان کا احترام کیا۔ یوں اسلام مخالف قوتوں کے اس پراپیگنڈے کو غلط ثابت کر دیا کہ اسلام پسند جمہوریت پر یقین نہیں رکھتے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ وہ اپنی شرائط کے مطابق اقتدار میں موثر کردار ادا نہیں کر سکتے تو انھوں نے اقتدار کو خیرباد کہا اور اپوزیشن میں چلے گئے۔

۲۔ ۱۹۹۳ اور ۱۹۹۷ کے مابین بہت سی دستوری ترامیم کروائیں۔

۳۔ متحدہ یمن کے قیام کے لیے بھرپور کام کیا اور سوشلسٹوں کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا۔

۴۔ بہت سے اہم قوانین پارلیمنٹ سے منظور کروائے، مثلاً اسلامی بنکوں کا قانون۔

۵۔ اس تجربے سے انھیں بہت سی ایسی باتیں معلوم ہوئیں جن سے وہ بے خبر تھے۔

لیکن نقصانات بھی ہوئے

سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ اسلامیوں کی مخالفت و عداوت میں اضافہ ہوا۔ مخالف قوتوں نے ان پر تنقید کی مگر ان کے ساتھ مخلوط حکومت میں شریک فریق ثانی پر تنقید سے صرف نظر کیا۔ ایک نقصان یہ بھی ہوا کہ شرکت اقتدار کا یہ مرحلہ یمنی تاریخ کے مشکل ترین اقتصادی حالات میں آیا۔ مجبوراً حکومت کو سخت اقتصادی پالیسیاں نافذ کرنا پڑیں۔ حامیان اسلام بھی چونکہ اقتدار میں شامل تھے، اس لیے ان کو بھی عوامی غیض و غضب اور نفرت و تنقید کا نشانہ بننا پڑا۔

ایک نقصان یہ بھی ہوا کہ حکومت میں شامل ہونے کے باوجود وہ اپنے تمام اہداف و مقاصد پر عمل نہ کر سکے۔ وہ مخلوط حکومت میں کمزور فریق ثابت ہوئے۔ تاہم ناسازگار حالات کے باوجود اسلامیوں نے وزارتوں کو عمدہ طریقے سے چلایا اور مشکل ترین حالات میں بھی ایسے کارنامے سرانجام دیے اور ایسی کامیابیاں حاصل کیں کہ ان کے وزرا اپنی اچھی کارکردگی کی وجہ سے، معاشرے میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

اہل دانش کی غالب اکثریت کی رائے میں شرکت اقتدار کا تجربہ نہایت مفید رہا ہے۔ اور اس کے مثبت پہلو منفی پہلوؤں سے زیادہ ہیں۔ گذشتہ عام انتخابات کے بعد اسلامیوں کے طرز عمل کو تمام قومی حلقوں نے بنظر تحسین دیکھا ہے۔ جب ان کی مجلس شوریٰ نے اعلان کیا: "نیشنل کانگرس پارٹی الیکشن میں بڑے پیمانے پر دھاندلی کے ذریعے بھاری اکثریت سے جیت چکی ہے لہٰذا اب وہی تنہا حکومت بنائے گی۔ حکومت نے ہمیں ان بے شمار سیٹوں سے محروم کیا ہے جن پہ ہمارے امیدوار کامیاب ہو چکے تھے۔ ہم اس دھاندلی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومت کی مخالفانہ پالیسی پہ احتجاج کرتے ہوئے اب اس کے ساتھ حکومت میں شریک نہیں ہوں گے اور پرامن و فعال اپوزیشن کا رول ادا کریں گے۔ یہ طرز عمل' اس قسم کے مواقع پر سوشلسٹوں کے وطیرے کے برعکس ہے۔ وہ لوگ ان مواقع پر خانہ جنگی شروع کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔

پانچ اہم مسلم ممالک میں تحریکات اسلامی کے تجربات کے جائزے سے یہ مشترک نکات سامنے آتے ہیں:

☆ ان تمام پارٹیوں نے اپنے پلیٹ فارم سے انتخابات میں حصہ لیا اور کامیابی حاصل کرنے کے بعد تشکیل حکومت کے لیے دوسری پارٹیوں سے اشتراک عمل کیا۔

☆ الجزائر کے علاوہ کہ جہاں ابھی تک بحرانی کیفیت ہے اور حکومت اسلامی فرنٹ کے مقابلے میں مضبوط ہونے کے لیے دوسری اسلامی تحریکوں سے اشتراک اقتدار پہ مجبور ہے' باقی ہر جگہ شرکت اقتدار کا تجربہ ناکام ہوا۔

☆ شرکت اقتدار کا تجربہ صرف ترکی میں کامیاب ہوا کیونکہ وہاں اصل اقتدار رفاہ پارٹی کے ہاتھ میں تھا۔ دوسری پارٹیوں نے اس کے ساتھ اشتراک کیا تھا۔

☆ تقریباً ہر جگہ اسلامی تحریکوں کے وزرا کو حکومت سے یہ یکساں شکایت رہی کہ حکومت انھیں آزادی عمل اور اختیارات نہیں دے رہی۔

☆ تقریباً ہر ملک میں شرکت اقتدار کرنے والے اسلامی وزرا کا تبصرہ یہ ہے کہ حکومت میں شامل ہو کر کچھ فوائد بھی ہیں لیکن حکومت کی کارستانیوں کی بدنامی ہمارے کھاتے میں بھی آتی ہے۔

☆ شرکت اقتدار کرنے یا نہ کرنے کا انحصار حالات پر ہے۔ ایک ہی ملک میں دونوں فیصلے بھی کیے جا سکتے ہیں۔ (اخذ و تلخیص: المجتمع' شمارہ ۱۲۵۸' ۱۵-۲۱ جولائی ۹۷)

© rasailojaraid.com